آئینۂ آفاق

سیّد محمد اکرم اکرام

بسم الله الرحمن الرحیم

آئینۂ آفاق

سیّد محمد اکرم اکرام

نام کتاب: آئینہ آفاق
مصنف: ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام
تعداد: ۵۰۰
ناشر: سنگت پبلشر لاہور
سال اشاعت: ۱۴۳۲ھ / ۲۰۱۱ء

سب کے نام

پیش لفظ

ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور میں طویل مدت تک فارسی زبان وادب کے استاد رہے ہیں اور انھوں نے طلبہ کی کئی نسلوں کو تربیت دی ہے۔ صدر شعبہ فارسی، پرنسپل اور ڈین فیکلٹی کی حیثیت سے بھی انھوں نے اعلیٰ انتظامی عہدوں پر شاندار خدمات انجام دی ہیں۔

ڈاکٹر شاہ صاحب وسیع المطالعہ شخص ہیں خصوصاً فارسی شاعری پر انھیں جو عبور ہے وہ ان دنوں ناپید ہے۔ مولانا جلال الدین رومی اور علامہ اقبال پر ان کا تخصص اور تبحر حیران کن ہے علاوہ ازیں وہ فارسی کے نامی گرامی شاعر ہیں اور اہل ایران بھی ان کی شاعری کے بہت مداح ہیں۔ نسبتاً کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ اردو کے بھی فصیح البیان شاعر ہیں۔

''آئینۂ آفاق'' شاہ صاحب کے اردو قطعات کا مجموعہ ہے جو معاصر اردو شاعری میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ کلاسیکی شاعری میں صنفِ قطعہ دو یا زیادہ

اشعار پر مشتمل صنف شاعری کا نام ہے لیکن کچھ عرصے سے اردو میں رباعی نما قطعات کا رواج ہو گیا ہے۔ علامہ اقبال نے بال جبریل اور ارمغانِ حجاز میں اس قسم کے متعدد قطعات لکھے ہیں۔ پھر علامہ کے نوجوان معاصرین نے اس کی ترویج میں حصہ لیا اور اب صنفِ قطعہ کی یہی شکل زیادہ مقبول ہو گئی ہے اور نسبتاً طویل قطعات کا رواج ختم ہو گیا ہے۔ رباعی نما قطعات لکھنے والے شعرا نے رباعی کی تمام فنی خصوصیات اس صنفِ قطعہ میں بھر دی ہیں۔

اکرم شاہ صاحب نے قطعے کی اس روایت کو وہاں سے شروع کیا ہے جہاں تک اسے علامہ اقبال نے پہنچادیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے تین سو قطعات کہے ہیں جو تعداد اور معیار ہر دو اعتبار سے لائقِ ستائش ہیں۔

علامہ اقبال مقصدی شاعر ہیں اور اگر پیغام رسانی کو عمدہ شاعری بنایا جا سکتا ہے تو اس کی اقبال سے بہتر کوئی مثال ہمارے ہاں موجود نہیں ہے۔ اکرم شاہ صاحب کے یہ قطعات بھی اسی مقصدیت کے حامل ہیں جو علامہ اقبال اور ان سے پہلے حالی و اکبرالہ آبادی کے ہاں موجود ہے لیکن مقصدیت کا یہ ارتکاز جس طرح ان کے ہاں دکھائی دیتا ہے وہ دورِ حاضر میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔ ہر دور نئے مسائل لاتا ہے تاہم ان مسائل کا حل اس اعلیٰ نظام اقدار میں مضمر ہے جس کی تعلیم قرآن میں چودہ سو سال پہلے دی گئی تھی۔ شاہ صاحب ان قرآنی افکار سے اپنی شاعری کا چراغ روشن کرتے ہیں اور حدیث و سیرت سے بھی روشنی مستعار لیتے ہیں اور اس طرح دورِ حاضر کی محشر آفریں گھڑیوں میں ملت کے ساتھ رابطہٗ استوار رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اس مجموعے کی شاعری نقش ہائے رنگ رنگ پر مشتمل ہونے کے باوجود وحدتِ مقصد کی علمبردار ہے اور وہ مقصد ہے انسان کو منفی جذبات اور خیالات سے روک کر اعلیٰ نظامِ اخلاق واقدار کی طرف بلانا، یہ اہم ترین مقصد ہے اور اس کی تبلیغ و ترسیل کے لیے یہ قطعات ان شاء اللہ بہت مؤثر ذریعہ ثابت ہوں گے۔

''آئینۂ آفاق'' کے تمام قطعات ایک ہی بحر میں ہیں۔ یہ علامہ اقبال کی پسندیدہ بحر ہے جو روانی کے باوجود ایک تفکر کا احساس پیدا کرتی ہے۔ ہر مصرع چار ارکان پر مشتمل ہے۔ آخری تین ارکان روانی پیدا کرتے ہیں جب کہ پہلا رکن (مفعول) بعد والے ارکان (مفاعیل) سے آمیز ہو کر اس روانی میں ذرا سا ٹھہراؤ پیدا کر دیتا ہے اس لیے فکری شاعری کے لیے یہ بحر بڑی موزوں ہے اور ساتھ ہی رواں دواں بھی ہے۔ شاہ صاحب نے بحر کی اس خصوصیت سے خوب فائدہ اٹھایا ہے اور فصاحت کو تفکر کے ساتھ بڑے سلیقے سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔

یقین ہے اردو شاعری کے تمام سنجیدہ قارئین اس مجموعے کا شایانِ شان استقبال کریں گے۔

خواجہ محمد زکریا

پروفیسر ایمریطس، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

فہرست عنوانات

آفاق

ذرّات ہیں خورشید کے پرتو پہ شہادت
مخلوق ہے خالق کی تجلّی پہ گواہی
انساں اگر دیدۂ تحقیق سے دیکھے
آفاق ہیں آئینۂ آیاتِ الٰہی

شوق

ہر لحظہ ہے فطرت کو تجدّد کا تقاضا
تجدیدِ نظر کے لئے ہے گردشِ ایام
گر دل میں نیا ولولہ ہو اور نیا شوق
ہر صبح نئی صبح ہے ہر شام نئی شام

علامت

ہر شاخ تری صنعت تزئیں کی علامت
ہر پتہ تری قدرتِ تخلیق کا مظہر
ہر غنچہ ترے جاذبۂ حُسن کی آیت
ہر پھول ترے عطرِ محبت کا پیمبر

اخلاص

جب سالکِ حق نے قدم اخلاص سے رکھا
خود لے کے گئیں کوچۂ دلدار میں راہیں
سینائے محبت سے اُٹھا ولولۂ شوق
پہنچیں حرمِ حُسن میں بے تاب نگاہیں

بانگِ اذاں

اُٹھو کہ ہوئی صبح اُٹھے قافلے والے
جاگو کہ جہاں جاگ پڑا بانگِ اذاں سے
جو سوگیا وہ لُٹ گیا اِس رہ میں مسافر
رہزن نہیں ہے بڑھ کے کوئی خوابِ گراں سے

صبح

آفاق پہ ہنگامِ سحر نور کے دھارے
ہیں اہلِ نظر کے لئے پیغامِ دل انگیز
کہتی ہے ہر اک چیز سے یہ صبحِ درخشاں
''از خوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز''

(مصرع آخر از علامہ اقبال)

بزم

ہر لحظہ رُخِ حُسن سے اُٹھتے ہیں حجابات

ہر روز زمیں پر ہیں دل افروز نظارے

اک بزم نئی سجتی ہے ہر رات فلک پر

انسان کے سوجانے پہ ہنستے ہیں ستارے

نور

تاریکیِ شب سے نہ ڈریں قافلے والے

خائف نہ ہوں چھائی ہوئی ظلمت کے اثر سے

کردے گا ابھی چاک شبِ تار کا دامن

وہ نور جو پھوٹا ہے گریبانِ سحر سے

جدّت

عالم میں ہر اک شے کو ہے جدّت کا تقاضا
ہر لحظہ بدلتے ہیں زمانے کے نظارے
فرسودہ کوئی چیز جہاں میں نہیں رہتی
گر پڑتے ہیں افلاک سے فرسودہ ستارے

عشق

منزل بھی مری تو ہے مری راہ بھی تو ہے
یہ راز ہے اِس راز سے آگہ نہیں کوئی
میں دیکھ چکا فلسفہ و فکر کے مسلک
اے عشق تری رہ کے سوا رہ نہیں کوئی

توحید

قرآن کی تعلیم محبت ہے خدا سے
اور اہلِ محبت سے تقاضا ہے وفا کا
یہ نکتۂ توحید نہ بھولے کوئی مومن
جو دوست ہے کافر کا وہ دشمن ہے خدا کا

مسجد

مسجد میں درخشاں رہے گا نورِ پیمبرؐ
منبر پہ ہمیشہ رہے گا جلوۂ جبریل
ہر چند چلیں تیز زمانے کی ہوائیں
خاموش نہ ہوگی کبھی محراب کی قندیل

جوئے رواں

وہ جوئے رواں ابر سے اُتری جو حرا پر
سرسبز ہوئے دشت سب اُس جوئے رواں سے
ہر لحظہ نئی شان سے عالم میں رواں ہے
رُکتی نہیں موج اُس کی کسی کوہِ گراں سے

(ماخوذ از گوئٹے۔نغمہ محمدؐ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

تو حمد ہے محمود ہے احمد ہے محمدؐ
قرآن سب اخلاق ترا تیری ادائیں
اونچی ہے تری شان کہ افلاک سے ہر دم
آتی ہیں ''رفعنا لك ذكرك'' کی صدائیں

تجلّی

تو صاحبِ قرآن ہے تو صاحبِ معراج
تو نُور ہے تو روشنیِ لوح و قلم ہے
روشن ہیں مہ و مہر تو یہ تیری تجلّی
معمور جہاں ہے تو یہ سب تیرا کرم ہے

یکتا

تو مظہرِ یکتا ہے جمالِ ازلی کا
ہر نور ترے نور کا پرتو ہے جہاں میں
سرچشمۂ رحمت ہے تری ذاتِ مقدّس
جاں تیرے نفس سے ہے زمیں اور زماں میں

مطلع

ہر جلوۂ اظہار کا تو مطلعِ اعلیٰ
ہر مطلعِ انوار تری صبحِ ضیا سے
آفاق ترے رُخ کی تجلّی سے منوّر
افلاک سرافراز ترے بوسۂ پا سے

مطلع انوار

تو مطلعِ انوار ہے تو مخزنِ اسرار
تو محورِ اعصار ہے تو مرکزِ ادوار
انساں کے لئے ذات تری منزل مقصود
تو قبلۂ احرار ہے تو کعبۂ ابرار

اخلاق

اخلاق کی تعلیم نبیؐ کی ہیں احادیث
پُر ہیں اسی تعلیم سے قرآن کے اوراق
جس لفظ سے کرسکتے ہیں اسلام کو تعبیر
اخلاق ہے اخلاق ہے اخلاق ہے اخلاق

اسلام

پیغمبرؐ اسلام نے ہر اک کو دُعا دی
ہر لحظہ دُعا کے رہے الفاظ زباں پر
اسلام کا مقصد ہے سلامت رہے مخلوق
اسلام کا مطلب ہے سلام اہلِ جہاں پر

درس

پیغمبرِ اسلام کی ہر بات ہے رحمت
انساں کو دیا درس ہر انساں سے وفا کا
فرمایا کہ سب روئے زمیں ہے مری مسجد
فرمایا کہ مخلوق ہے سب کنبہ خدا کا

منشور

انسان کی تکریم کا منشور سراسر
قرآن کی آیات پیمبرؐ کے بیانات
تحقیر و تنفر ہے کسی اور ہی دیں میں
اسلام محبت ہے اخوت ہے مساوات

خطبہ

مغرب سے حقوقِ بشری کرتے ہیں منسوب
اظہار ہے تاریخ سے یہ بے خبری کا
جو خطبہ پیمبرؐ نے دیا آخری حج پر
منشور ہے پہلا وہ حقوقِ بشری کا

فیضان

یہ منبر و محراب یہ قرآن کی آیات
یہ کعبہ یہ جو کچھ بھی ہے فیضانِ نبیؐ ہے
فیضانِ نبیؐ سے ہے مسلمان مسلمان
انساں بھی ہے انساں تو یہ احسانِ نبیؐ ہے

معیار

عشق ایک حقیقت ہے خرد ایک فسانہ
دونوں کو کبھی ایک ترازو میں نہ تولو
ایمان کا معیار محبت ہے نبیؐ کی
ایمان کو میزانِ ارسطو میں نہ تولو

صدق

کہہ سکتے ہیں کافر کہ خدا کوئی نہیں ہے
کہہ سکتے ہیں قرآن خدا کی نہیں گفتار
جس صدق کی تکذیب کوئی کر نہیں سکتا
وہ ایک ہے بس زندگیِ احمدِؐ مختار

(فقدلبثت فیکم عمراً: قرآن)

مقصود

اسلام ہے ہر بے کس و مسکیں کا طرفدار
اسلام ہے ہر بندۂ مظلوم کا حامی
خالق کا ہے مقصود کہ آزاد ہو مخلوق
گردن میں کسی کی نہ رہے طوقِ غلامی

دُعا

اقوامِ ستم پیشہ کے ہاتھوں سے جہاں میں
جو بھی ہے مسلمان مصائب میں گھرا ہے
''اے خاصۂ خاصانِ رُسلؐ'' تو ہی دُعا کر
''امّت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے''

(مصرع آخر از حالی)

حقایق

کچھ لوگ حقایق کو بھی کرتے نہیں تسلیم
ہر چند انہیں دیکھتے ہیں اپنی نظر سے
محروم بصر سے نہیں ہوجاتی ہیں آنکھیں
دل سینوں میں ہوجاتے ہیں محروم بصر سے

(لاتعمی الا بصار ولکن تعمی القلوبُ التی فی الصّدور: قرآن)

اے کاش

ہر ذرّے کے لب پر ہے اناالشّمس کی گفتار
اے کاش دل و دیدہ حقایق سے ہوں آگاہ
مت سمجھو کہ ہے دشتِ جہاں اسفل و ارذل
آئی ہے اِسی دشت سے آوازِ ''انااللہ''

(--- اِنّنی انا اللّٰہ لاالہ الاّ انا: قرآن)

مُرسلین

موسیٰؑ بھی مسیحاؑ بھی رسولِؐ عربی بھی
اللہ کے پیمبر ہیں، نہیں قابلِ تفریق
توہین کسی ایک کی اُن سب کی ہے توہین
تصدیق کسی ایک کی اُن سب کی ہے تصدیق
(لانفرّق بین أحد من رُسُلِه: قرآن)

اطاعت

انسان کی تکریم کا باعث ہے اِطاعت
ابلیس کی تذلیل تکبّر سے ہوئی ہے
جو عقل ہو خالق کی اِطاعت سے گریزاں
اُس عقل سے بدتر نہیں دنیا میں کوئی شے

نبوت

پیغمبر اکرمؐ پہ ہوئی ختم نبوّت
قرآن کے بعد اب نہ کوئی وحی نہ الہام
ملّت کے لئے ختمِ نبوّت ہے ضروری
ہے ختمِ نبوّت کا ثمر وحدتِ اسلام

حق

مومن ہے فقط حق کے لئے اوّل و آخر
منزل یہی مقصود ہے سیدھی یہی رہ ہے
رُخ حق کی ہے جانب تو ہر اک کام ہے نیکی
رُخ غیر کی جانب ہے تو نیکی بھی گنہ ہے

نعمت

ہم آیہ ''فاصبحتم'' اگر غور سے دیکھیں
افراد میں نعمت کی ہے تقسیم کا فرمان
اِخوان میں نعمت نہ ہو تقسیم تو اغیار
اغیار میں تقسیم ہو نعمت تو وہ اِخوان

(فاصبحتم بِنعمته اِخوانا : قرآن

نبی صلی اللہ علیہ وسلم

جب مکہ ہوا فتح تو سب مالِ غنیمت
تقسیم کیا مکے ہی والوں میں نبیؐ نے
اک اہلِ مدینہ نے کہا ہم رہے محروم
فرمایا لئے جاتے ہو تم مجھ کو مدینے

صُلح

ہے صلحِ حدیبیّہ بھی اک واقعہ معروف
کفار سے کی صُلح پیمبرؑ نے یقیں سے
محزوں ہوئے مومن جو شرایط پہ تو حق نے
اِس صُلح کو تعبیر کیا ''فتحِ مبیں'' سے

(انا فتحنالك فتحا مّبینا : قرآن)

حُسن

گُل اپنی مہک آپ اگر عام نہ کرتا
گلشن کی فضا تک نہ کوئی پاتا رسائی
بُلبل کو تو معلوم نہ تھا رستہ چمن کا
رہ پھول کی خود پھول کی خوشبو نے بتائی

غیرت

دیں نام ہے غیرت کا اگر ہو کسی دل میں
یہ نکتہ سمجھ سکتا نہیں بندہ شکم کا
پس خوردہ یہودی کا جو کھاتا ہو مسلمان
کیا پاس اُسے عزّت و ناموسِ حرم کا

رسالت

صدّیق ہوں فاروق ہوں عثماں ہوں علی ہوں
خورشیدِ رسالتؐ سے ہیں روشن یہ ستارے
حق والوں کے دل میں ہیں اِسی نور کے چشمے
آفاق میں جاری ہیں اِسی نور کے دھارے

دو شخص

دو شخص ہیں ملّت کے لئے باعثِ آزار
دونوں کے رویّے سے زبوں حالیِ دیں ہے
اک جاہلِ پُرجوش کہ منبر پہ ہے بیٹھا
اک عالمِ باہوش کہ وہ گوشہ نشیں ہے

روشنی

بغداد و نجف کرب وبلا یثرب و بطحا
اِن خطّوں کی خاک اپنے لئے کُحلِ بصر ہے
دنیا کو یہاں سے وہ ملی روشنیِ فکر
جس روشنیِ فکر سے ہر شام سحر ہے

لحظہ

امواج بہت تیز ہیں دریائے زماں کی
بہتی چلی جاتی ہے اِن امواج میں ہر شے
ہم ساحلِ ہستی سے جو کچھ دیکھ رہے ہیں
اک لحظے میں ہے دوسرے لحظے میں نہیں ہے

اِحیا

حق والوں نے طاغوت کو جرأت سے کیا ختم
اِس رہ پہ چلے بدری اِسی رَہ پہ حُسینی
جس بات سے ہوسکتا ہے اب دین کا احیا
وہ ایک ہی اِقدام ہے اِقدامِ حسینی

راستہ

لاہور سے کچھ دُور نہیں کابل و قندھار
قندھار کے رستے سے عجم دُور نہیں ہے
تہران جو پہنچیں تو ہے نزدیک ہی بغداد
بغداد سے نکلیں تو حرم دُور نہیں ہے

انسان

انسان تمام ایک ہیں تخلیق کی رُو سے
اس نکتۂ پوشیدہ کا لازم ہے بتانا
اک جاں کی ہلاکت ہے جہاں بھر کی ہلاکت
اک جاں کا بچانا ہے جہاں بھر کا بچانا

(۔۔۔ومن احیاھا فکانما احیاالناس جمیعا: قرآن)

رابطہ

انساں سے ہے اک رابطۂ خاص خدا کا
اِس رابطہ سے کوئی بھی محروم نہیں ہے
انساں کا تو کیا ذکر وہ ہے اشرفِ عالم
زنبورِ عسل وحیِ الٰہی کی امیں ہے

(وَ اوحیٰ ربّک الی النحل: قرآن)

مردِ خدا

سب نعمتوں سے بڑھ کے جو نعمت ہے جہاں میں
وہ مردِ خدا ہے بخدا مردِ خدا ہے
ممکن ہے کہ مل جائے وہ ناگاہ سرِ راہ
تم ڈھونڈو اُسے وہ بھی تمہیں ڈھونڈ رہا ہے

حساب

انسان جو کرتا ہے امانت سے ہر اک کام
اندیشہ نہیں ہوتا کبھی اُس کو خلل کا
عقبیٰ میں حساب اُس کا ضروری نہیں ہوگا
کرتا ہے جو دنیا میں حساب اپنے عمل کا

دستور

نسل اور وطن مسئلہ ہیں سارے جہاں کا
حل اس کا قوانین میں مسطور نہیں ہے
قرآن فقط وحدتِ انساں کا ہے دستور
قرآن سے بڑھ کر کوئی دستور نہیں ہے

ہستی

ہستی کے حقایق کا سمجھنا نہیں آسان
ہر چند کہ انسان کی ہستی پہ نظر ہے
ہیں مختلف اشیا کے شب و روز جہاں میں
جو شام ہماری ہے ستاروں کی سحر ہے

نقاش

ہر نقش حقیقت میں ہے نقاش کا مظہر
پس نقش کی تکریم ہے نقاش کی تکریم
مخلوق سے اخلاص ہے خالق ہی سے اخلاص
مخلوق کی تعظیم ہے خالق ہی کی تعظیم

ضابطہ

اقبال نے کیا خوب کئے دین کے معنی
حق یہ ہے کہ وہ خضر ہے اس راہگزر کا
اسلام نہ قومی ہے نہ نسلی ہے نہ شخصی
یہ ضابطہ ہے زندگیِ نوعِ بشر کا

معبد

مسجد ہو صنم خانہ ہو یا کوئی کلیسا
اسلام میں معبد کی ہے تکریم ضروری
ہر مذہب و ملّت کے ہیں کچھ لوگ پرستار
ہر مذہب و ملّت کی ہے تعظیم ضروری

سرچشمہ

اک سوز ہے دل جس سے تڑپتا ہے شب و روز
اک آگ ہے مقصد کی جو سینے میں دبی ہے
ہم دشتِ جہاں میں ہیں رواں تشنہ لبی سے
سو چشموں کا سرچشمہ یہ اک تشنہ لبی ہے

اظہار

ہر چیز ہوئی قوّتِ اظہار سے ظاہر
قوّت نے نکالا تہِ دریا سے گُہر کو
چشمے کو چٹانوں سے نکلتا کوئی دیکھے
پانی نے دو شق کردیا پتھر کے جگر کو

صبحِ وطن

کچھ بھی اثرِ شب نہیں دامانِ افق پر
بے داغ اُجالا ہے مری صبحِ وطن کا
یہ خاک عجب کیا کہ بنے مطلعِ انوار
ہر ذرّہ اک آئینہ ہے سورج کی کرن کا

خوشبو

لاہور و کراچی کی جو گلیوں میں ہے خوشبو
اِنگلیس و فرانسیس کے شہروں میں نہیں ہے
راوی کی جو بیٹھی ہوئی ریتوں میں ہے تابش
ڈینوب کی اُٹھی ہوئی لہروں میں نہیں ہے

وطنِ عزیز

کہسار کے دامن میں پٹھانوں کی وہ بستی
صحرا کی بغل میں وہ بلوچوں کا ٹھکانہ
فطرت کا جمالِ ازلی ایک حقیقت
تہذیب فرنگی کا فسوں ایک فسانہ

روشن

صبحیں بھی پُر انوار ہیں شامیں بھی پُر انوار
محروم نہیں نور سے آفاق ہمارے
چُھپ جاتے ہیں تارے تو نکل آتا ہے سورج
چُھپ جاتا ہے سورج تو نکل آتے ہیں تارے

تبسم

یہ نرگس و نسریں یہ گل و لالہ چمن میں
ہنستے ہوئے آئے ہیں شبستانِ زمیں سے
مجلس کو تبسم سے ذرا تم بھی سجاؤ
نفرت کی شِکن دُور کرو اپنی جبیں سے

نخل

اغیار نے ہر سمت یہاں بوئے ہیں کانٹے
رہرو کے لئے خوف بھی ہے رَہ میں خطر بھی
لازم ہے کہ ہم کاشت کریں نخلِ محبت
اِس نخل کا ہے سایہ بھی خوب اور ثمر بھی

چراغاں

آؤ کہ در و بام چراغاں کریں اپنے
ہر سمت یہاں چھائی ہوئی ظلمتِ غم ہے
طے راہِ وجود آج کریں شوق سے مل کر
کل سامنے ہم سب کے بیابانِ عدم ہے

نایاب

ہر بزم میں ملتے ہیں بہت واعظ و ناصح
افسوس کہ ملتے نہیں ڈھونڈے سے بھی احباب
دنیا میں سب اجناس ہوئی جاتی ہیں وافر
اک جنسِ محبت کہ ہوئی جاتی ہے نایاب

موحّد

دریافت کرے کوئی موحد سے بہ آداب
اسلام نہ ہوگا تو مسلماں کہاں ہوگا
ملّت ہی سے ایماں ہے اور ایماں ہی سے ملّت
ملّت کو مٹا دیں گے تو ایماں کہاں ہوگا
(ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں: مرزا غالب)

نقاب

دشوار ہے اشخاص کی پہچان جہاں میں
اہداف نمایاں نظر آتے نہیں سب کے
اکثر ہیں جو چہروں پہ نقاب اوڑھے ہوئے ہیں
مذہب کے تصوف کے سیاست کے ادب کے

کاخ

دنیا میں بلندی بھی حقیقت میں ہے پستی
جو قصر فلک بوس تھے وہ دیکھے زمیں بوس
پتھر کے جو تھے کاخ اُلٹ کر وہ ہوئے خاک
اِس خاک پر افسوس ہے اُس کاخ پر افسوس

حقیقت

دنیا میں بہت دیکھے ہیں ایسے بھی مدبّر
خود اپنی حقیقت پہ بھی جو کرتے نہیں غور
ہر اہلِ بصارت میں نہیں ہوتی بصیرت
بینائی چشم اور ہے بینائی قلب اور

تفاخر

ہر نسل کے لوگوں میں تفاخر کا ہے رجحان
ہر قوم جتانے لگی ہے اپنی بڑائی
تہذیبوں کے ٹکراؤ کا آیا ہے زمانہ
کچھ اور ہی انداز میں اب ہوگی لڑائی

تسلیم

تسلیم کہ طاقت کے وسائل کی بنا پر
انساں نے ستاروں پہ لگائی ہیں زقندیں
بدتر ہوئے جاتے ہیں مگر کام زمیں کے
کیا ہے اگر افلاک پہ ڈالی ہیں کمندیں

اک بات

باتیں ہیں بہت قائدِ اعظم کی مجھے یاد
سو باتوں سے بہتر ہے یہ اک بات بتانا
تم حکم اگر ماننا سیکھو گے وطن میں
آجائے گا دنیا میں تمہیں حکم چلانا

پاکستان

دو بہتے ہوئے دھارے ہیں تاریخ وطن کی
اک فکرِ دل انگیز ہے اک کوششِ پیہم
ہجویری کا سید ہے مجدد ہے اور اقبال
محمود ہے اورنگ ہے اور قائداعظم

ایک مؤرخ

اک برّہ اٹھا روکنے دریا کا بہاؤ
اک چوہا چلا سلسلۂ کوہ گرانے
اک مسخرہ کرنے لگا تاریخِ وطن مسخ
اک چغد اُڑا مشعلِ خورشید بجھانے

فاصلہ

ممکن ہی نہیں کفر سے اسلام کا پیوند
اک فاصلہ ہے کعبہ و بتخانہ کے مابین
پھر دشتِ ادب میں نہ بہا خون کا دریا
تحریر نہ کر اور کوئی ''مجمعِ بحرین''

(مجمع بحرین۔ داراشکوہ کی تصنیف)

فضا

ہے پاک پتن نورِ فریدی سے درخشاں
ملتان ہے روشن زکریا کے قدم سے
خیبر کے خیاباں سے کراچی کی فضا تک
اک روشنی ہے سیدِ ہجویر کے دم سے

ذہن

کچھ صبحِ وطن کو بھی نہیں مانتے روشن
گو دیکھتے ہیں بہتے ہوئے نور کے دھارے
افسوس کہ ذہن اہل سیاست کے نہیں صاف
دُھندلائے ہوئے سے ہیں یہ آئینے ہمارے

پُغد

ہر چند ہمیشہ ہیں بہاریں ہی بہاریں
بُلبل کے دل انگیز ترانے بھی چمن میں
چھا جاتی ہے پھر بھی کبھی پھولوں پہ اُداسی
کچھ پُغد بھی رہتے ہیں مرے باغِ وطن میں

امانت

یہ وادیاں سرسبز یہ کُہسار یہ دریا
کیا کیا دیے اسباب معیشت کے خدا نے
حق اِن پہ جتا سکتا نہیں فرد کوئی بھی
ملّت کی امانت ہیں یہ ملّت کے خزانے

چاغی

چاغی کا پہاڑ ایٹمی شعلوں سے جو چمکا
اغیار کے سر پر پڑی خاکستر ذلّت
قوّت سے فقط ہوتی ہے خم گردنِ اعدا
قوّت سے جہاں میں ہے سر افرازیٔ ملّت

نکتہ

یہ راوی و جہلم یہ چناب اور وہ ستلج
سب سندھ سے مل جاتے ہیں ملتان کے نزدیک
اِس ملنے سے بن جاتا ہے سندھ ایک سمندر
کاش اہلِ وطن سمجھیں یہ اک نکتۂ باریک

مسائل

جو شخص فقط اپنے قبیلے ہی کو دیکھے
ملّت کے مسائل پہ کرے گا وہ نظر کیا
جس دل میں محبت ہو فقط اپنے ہی گھر کی
کرسکتی ہے حُبّ الوطنی اُس میں اثر کیا

ادیب

اربابِ ادب محو رہیں عشقِ صنم میں
اظہارِ نظر کرتے رہیں حُسنِ صنم پر
ملّت کے لئے بھی قلمِ فکر اُٹھائیں
ملّت کا بھی کچھ حق ہے ادیبوں کے قلم پر

رہبر

چند اہل ہوس کر رہے ہیں ملک کو ویران
جس سمت نظر ڈالئے حالات ہیں برہم
پھر قوم کو رہبر کی ضرورت ہے الٰہی
اقبال کوئی آئے کوئی قائدِ اعظم

اعجاز

یہ ہے نفَس عشق کا اعجاز کہ ہردم
سینے میں نیا دل ہے تو پیکر میں نئی جان
اک جذبۂ الفت ہے کہ چڑھتا ہوا دریا
اِک جوشِ محبت ہے کہ اُٹھتا ہوا طوفان

میزان

ایوانِ حکومت ہو کہ ایوانِ عدالت
دونوں کے توازن کے لئے شرط ہے میزان
میزان میں آجائے اگر ذرّہ بھی لرزہ
قائم نہیں رہ سکتا جہاں میں کوئی ایوان

فضیلت

اللہ جسے چاہے فضیلت سے نوازے
ملتی ہے ارادت نہ ریاضت سے فضیلت
انسان فرشتے سے بھی ہے افضل و اعلیٰ
انسان نے پائی ہے محبت سے فضیلت

غصب

اسلام میں ہرچند کہ غصب ایک گنہ ہے
قاضی کا ہے فرمان کہ ہے غصب بھی جائز
افسوس وطن میں اِسی فتویٰ کی بنا پر
طاغوت ہوئے مسندِ ارشاد پہ فائز

اعانت

ہم ایشیا والوں کی اِعانت کے بہانے
مغرب نے بچھا رکھا ہے اک دام طلائی
اچھی لگی اس دام کی کچھ ایسے اسیری
ہم بھول گئے ہوتی ہے کیا چیز رہائی

تقسیم

منظور تھی حق کو وطنِ پاک کی تشکیل
دشمن کی سیاست ہوئی ناکام بہرسو
دو قوموں کی تقسیم تھی خود ملک کی تقسیم
یہ نکتہ سمجھ پایا نہ انگریز نہ ہندو

بہرنرخ

ہے گھر کی طرح ہم کو ہر اک خطہ وطن کا
لاہور ہو خیبر ہو کراچی ہو کہ قلات
اور اپنے امیروں کو بہر نرخ ہیں مطلوب
لندن کے مضافات میں ویران محلات

آئین

خورشید ہو مہتاب ہو زہرہ ہو کہ مرّیخ
صدیوں سے ہر اک راہِ معیّن پہ رواں ہے
کوئی بھی مدار اپنے سے خارج نہیں ہوتا
حد اپنی میں رہنا یہی آئینِ جہاں ہے

اِس شہر میں

مدہوش ہوئے جلوۂ تہذیب سے واعظ
غازی ہیں مگر جنبشِ لب کی بھی نہیں تاب
یارب کوئی دیوانہ ہی اب نعرہ لگائے
اِس شہر میں خاموش ہیں سب منبر و محراب

طریق

کمزور ہے کچھ راہنماؤں کی نظر بھی
کچھ رستے بھی ہوتے چلے جاتے ہیں دقیق اور
ڈر ہے کہ بھٹک جائے نہ یہ قافلہ رہ سے
ملّت کا طریق اور ہے منزل کا طریق اور

کہتے ہیں

کہتے ہیں کہ انساں کی ترقی کا ہے یہ دَور
تعلیم ہے تہذیب ہے دانش ہے خرد ہے
اخلاق مگر یہ ہے کہ ہر ایک کے دل میں
نفرت ہے رعونت ہے خصومت ہے حسد ہے

سیّاس

قائم ہو بھلا امن و اماں کیسے وطن میں
جب فتنہ گری شیوۂ سیّاسِ وطن ہو
باقی رہے کیا نام و نشاں لالہ و گل کا
بلبل ہی اگر خانہ براندازِ چمن ہو

وقت

ممکن ہی نہیں وقت کی وسعت کا تصور
لحظوں سے بھی کم تر ہیں مہ و سال جہاں میں
اندازہ بھلا کون کرے بحرِ زماں کا
خورشید خود اک بُلبلہ ہے بحرِ زماں میں

زمانہ

کوتاہی تحقیق و تدبّر کی بنا پر
انساں نے حقیقت کو بنایا ہے فسانہ
ہم آپ گزرتے چلے جاتے ہیں شب و روز
کہتے ہیں گزرتا چلا جاتا ہے زمانہ

زماں

اللہ کا ارادہ ہے زماں کہتے ہیں جس کو
جب مرحلۂ ''کُن'' سے وہ گزرے تو مکاں ہے
تعبیر اِسی نکتے کی ہے حرفِ ''انا الدّھر''
تقدیر کا مفہوم بھی سمجھیں تو زماں ہے

زندہ

کہتے ہیں جسے وقت وہ قوت کا ہے اک نام
قوت کے سبب زندہ ہے دنیا میں ہر اک شے
انسان ہو حیوان ہو سورج ہو زمیں ہو
ہر چیز کا وقت اُتنا ہے جتنی وہ قوی ہے

تغیر

ہر لحظہ خیالاتِ بشر ہیں متغیر
یہ عالمِ خاکی تھا جہاں پہلے وہیں ہے
انساں کے بدلنے سے بدلتا ہے زمانہ
انساں میں تغیر ہے زمانے میں نہیں ہے

وَجھَہ'

فانی ہے بجز نورِ خدا جو ہے جہاں میں
یہ نورِ خدا دائرہ قربِ خدا ہے
اِس دائرہ میں جو بھی ہے محفوظ ہے ورنہ
شمشیرِ زماں کاٹتی جاتی ہے ہر اک شے

(کُلّ شیٔ ھَالِك اِلا وجھه: قرآن)

انسان

انسان کا ہے رتبہ فرشتے سے بھی اعلیٰ
اِس رتبۂ اعلیٰ پہ رسائی نہیں آسان
حریت و عدل اور مساوات و اخوت
یہ چار عناصر ہوں تو پھر بنتا ہے انسان

حاکم

ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں تسلیم مسلمان
ہے اللہ تعالیٰ ہی ہمیں پالنے والا
حاکم کوئی آمر نہ کوئی مجلسِ ملّی
اسلام میں حاکم ہے فقط اللہ تعالیٰ

(ان الحکم الّا لِلّٰہ: القرآن)

حیرت

اسرارِ حقیقت کی خبر کون بتائے
حیرت میں ہیں سب گُم جو خبردار ہوئے ہیں
بے ہوش ہیں جو ہوش میں دیتے ہیں دکھائی
ہیں خواب میں جو خواب میں بیدار ہوئے ہیں

(ہیں خواب میں۔۔۔ ماخوذ از مرزا غالبؒ)

پردۂ اسرار

انسان کی صورت میں ہے ابلیس بھی ظاہر
انسان کی سیرت میں ہے جبریل بھی مشہود
حق نورِ بصیرت کسی کو دے تو وہ دیکھے
اِس پردۂ اسرار میں کیا کچھ نہیں موجود

فراری

مجرم ہے اماں ڈھونڈتا پھرتا ہے خلا میں
یہ بندۂ خاکی کہ نہ نوری ہے نہ ناری
مہتاب کی جانب کبھی مرّیخ کی جانب
انسان زمیں سے ہوا جاتا ہے فراری

عمرؓ

کیا خوب بصیرت سے کہی بات عمرؓ نے
سفاک نے کمزور کو مظلوم بنایا
ہرگز نہ کسی ماں نے جنا بچۂ محکوم
انسان نے انسان کو محکوم بنایا

عنبر

ہر شخص کی گفتار نہیں مظہرِ کردار
انساں کا پتا چلتا نہیں اُس کے بیاں سے
عطّار کی باتوں پہ نہیں جاتے خردمند
عنبر کی صفت سُنتے ہیں خوشبو کی زباں سے

نظر

سورج ہو ستارہ ہو فلک ہو کہ زمیں ہو
ہر ظاہر و پوشیدہ پہ انساں کی نظر ہے
اس پیکرِ دانش کی ہے کیا بات کہ اِس کو
اک اپنی نہیں، ورنہ دو عالم کی خبر ہے

بزرگوں کے رہنما

اک اونٹ تھا صحرا میں کھڑا چوہے کچھ آئے
ہاتھوں میں مہار اُس کی لئے چل پڑے رہ پر
اک ندی سی آئی تو لگے کانپنے چوہے
اونٹ اُس میں جب اُترا تو نہ زانو بھی ہوا تر

(ماخوذ از رومی)

تأثر

ہر دور میں موجود ہیں چنگیز و ہلاکو
رنگین ہیں تاریخ کے اوراق لہو سے
افسوس کہ کچھ اچھا تأثر نہیں ملتا
انسان کو ہم دیکھیں جو تاریخ کی رُو سے

عجب

دنیا میں ہے قتل اِتنا کہ حیران ہے دنیا
انسان پر آیا ہے عجب وقت قضا سے
قاتل بھی نہیں جانتا کیوں کر رہا ہے قتل
مقتول بھی واقف نہیں ہے اپنی خطا سے

دانا

اک عقل سے حیراں ہوئے فارابؔی و سیناؔ
اک عقل سے شاداں ہوئے عطّارؔ و سنائیؔ
ناداں ہے چلے اپنے خیالوں کی جو رہ پر
دانا ہے پیمبرؐ سے جو لے راہنمائی

واعظ

یا حُور کا ہے تذکرہ یا قصّہ پری کا
واعظ کے سُنے ہم نے بیاناتِ شریعہ
دنیا کا کوئی مسئلہ لب پر نہیں آتا
حضرت کی ہر اک بات ہے مابعدِ طبیعہ

کہانی

مسجد ہو کہ میخانہ سنو جا کے جہاں بھی
ہر کوئی سناتا ہے حکایات پرانی
واعظ سے سنا کوثر و تسنیم کا قصہ
شاعر نے سنائی گل و بلبل کی کہانی

صد شکر

پہلے تو تھے روشن فقط اغیار کے حالات
صد شکر کہ اب اپنے بھی حالات ہیں روشن
غازہ کے کمالات سے چہرے ہیں منوّر
بجلی کے چراغوں سے خیالات ہیں روشن

ارباب

بہتر ہے رعایا کے مزاحم نہ ہوں ارباب
وہ اپنے گھروں میں رہیں یہ اپنے گھروں میں
برسائیں نہ پتھر کبھی ہمسائے کے گھر پر
جو اہلِ طرب رہتے ہیں شیشے کے گھروں میں

اُمید

کیا گرم کریں بزم کو بے سوز نوائیں
تجدید سخن کیسے ہو افکارِ کہن سے
پیرانِ سیاست نے کیا قوم کو مایوس
اُمید اگر ہے تو جوانانِ وطن سے

ہوس

دنیا میں فسادات کی بنیاد ہوس ہے
انساں کو گناہوں پہ ہوس کرتی ہے بے باک
دو بھیڑیے گلّے میں نہیں اِتنے درندہ
جتنا کہ کسی قوم میں اک شخص ہوسناک

لشکر

حق چھوڑ کے دل ہوگئے باطل کے پرستار
سینوں میں بنائے ہیں صنم خانے ہوس نے
لشکر کہیں سے آئے رسولِؐ مدنی کا
پھر لات و منات آکے حرم میں لگے بسنے

تبلیغ

قرآن ذرا حلق سے نیچے اگر اُترے
واعظ پہ کھلیں دین کی تبلیغ کے اسرار
جس وقت تک آیات اُترتی نہیں دل پر
منبر بھی ہے بے کار وہ محراب بھی بے کار

دنیا

ہر دم حق و باطل کے ہے مابین تصادم
مغلوب ہے جو کوئی بھی فعّال نہیں ہے
یہ بدر کا میدان ہے یہ اُحد کا میدان
دنیا کوئی بازیچۂ اطفال نہیں ہے

اذہان

افراد کی پہچان ہے اذہان سے ممکن
انسان کو صورت سے نہ پہچانو خدا را
کچھ ذہنوں میں جبریلِ امیں جلوہ نما ہے
کچھ ذہنوں میں ابلیسِ لعیں انجمن آرا

ثقافت

مومن کا جو ہے دین وہی اُس کی ثقافت
اخلاق کا ہے ضابطہ اسلام کا آئین
کافر کی ثقافت کی بِنا اُس کی طبیعت
مومن کی ثقافت کی بِنا اُس کا فقط دین

مسلک

لوگوں نے کئے ترک روایات کے مسلک
ہر ایک نے رہ اپنی طبیعت کی نکالی
بے راہ روی آج کی دنیا میں ہے تہذیب
لامذہبی اس دور میں آزاد خیالی

مُلّا

مُلّا نے الگ راستہ ہر اک سے لیا ہے
احساس نہیں اُس کو ذرا قوم کے غم کا
ڈیڑھ اینٹ کی مسجد وہ جو اپنی نہ بنائے
آسان ہر اک کام ہو تعمیرِ حرم کا

اہلِ حرم سے

کل پیرِ حرم نے یہ کہا اہلِ حرم سے
باطل کی ثقافت کے سب اصنام گرادو
اسلام کی تہذیب ہے انساں سے محبت
طاغوت کی تہذیب کا ہر نقش مٹادو

مصلحت

معیارِ عمل مصلحتِ وقت ہے جب سے
ہم بھول گئے رستہ محبت کی گلی کا
چلتے نہیں ہیں رہ پہ ابوبکرؓ و علیؓ کی
لیتے ہیں بہت نام ابوبکرؓ و علیؓ کا

وحشت

بڑھتی ہی چلی جاتی ہے انسان کی وحشت
اور اُس کے مقابل کوئی تہذیب نہیں ہے
ڈر ہے کہ اُجڑ جائے گی اک روز یہ بستی
تعمیر باندازۂ تخریب نہیں ہے

ملّاح

جس قوم کے رہبر ہی بصیرت سے ہوں محروم
کوشش سے بھی مقصد اُسے حاصل نہیں ہوتا
جس کشتی کے ملّاح ہوں پیدائشی اندھے
اُس کشتی کی تقدیر میں ساحل نہیں ہوتا

دورِ حاضر

یہ دَور جہالت ہی کی طاقت کا ہے اک دَور
سب آمر و حاکم ہیں جہالت ہی کے ممنون
جس شخص کی لاٹھی ہے اُسی شخص کی ہے بھینس
دنیا میں ابھی تک وہی جنگل کا ہے قانون

اکیسویں صدی

گزری ہے صدی بیسویں اکیسویں آئی
اک ذرّہ بھی انسان کے حالات نہ بدلے
آنکھوں میں ہوس دل میں وہی آگ حسد کی
کیا بدلا زمانہ جو خیالات نہ بدلے

شرف

شمشیر سے کرسکتے ہیں طاغوت کو تسخیر
شمشیر مسلماں کے لئے وجہِ شرف ہے
ہر چند قلم میں بھی بہت زور ہے لیکن
ہے زندہ وہی قوم جو شمشیر بکف ہے

قانون نافذ کرنے والے

اک روبہ فراری تھی، سبب پوچھا تو بولی
اونٹوں کو گرفتار یہاں کرتی ہے سرکار
بتلایا کہ تو اونٹ نہیں، بولی جو کہہ دیں
یہ اونٹ کا بچّہ ہے تو کرلیں گے گرفتار

(ماخوذ از سعدی)

محنت

سطحی ہی سی نظر ڈال کے کھلیان پر اپنے
دہقان نے اک بات کہی کتنی ہی گہری
محنت کرے انسان تو مٹی بھی ہے سونا
اک دانے سے اُگ آتے ہیں سو دانے سنہری

وسائل

یہ دین سے دُوری کا سبب ہے کہ بشر نے
دنیا کے زر و مال کو معبود بنایا
مقصود خود انساں تھا، وسائل نہ تھے مقصود
انساں نے وسائل ہی کو مقصود بنایا

زندگی

کل کہتا تھا صحرائے حرم میں یہ اک آہو
ہے امن و اماں ہر طرف اس پاک زمیں میں
جینے کا مگر لطف یہاں آئے تو کیسے
"نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں"
(مصرع آخر از مرزا غالب)

قوت

سینے میں اگر صبحِ جہاں تاب سا ہو زور
انساں کو میسّر ہے خلا میں بھی تنفس
ہے صیدِ زبوں بیشۂ عالم میں ہر اک چیز
"چیتے کا جگر چاہیے شاہیں کا تجسّس"
(مصرع آخر از علامہ اقبال)

اوضاع

ہر وقت ہیں اوضاع جہاں کے متغیرّ
ہر لحظہ نیا رنگ بدلتا ہے زمانہ
کہتے تھے فسانہ جسے کل، وہ ہے حقیقت
سمجھے تھے حقیقت جسے، ہے آج فسانہ

خیالات

مت کہیے خیالات نہیں ہوتے کوئی چیز
اعمال کی بنیاد ہی ہوتے ہیں خیالات
جن قوموں کے آتا ہے خیالوں میں تغیر
دنیا میں بدل جاتے ہیں اُن قوموں کے حالات

مدارج

مفقود ہوئی جاتی ہے انساں میں بصیرت
آنکھوں میں تجسّس ہے نہ ذہنوں ہی میں تحقیق
ہستی کے مدارج کو سمجھ سکتے ہیں کیسے
کر سکتے نہیں کرگس و شاہیں میں جو تفریق

تقلید

تقلید وجود اپنا فنا کرنے کا حیلہ
تقلید ہے نقش اپنا مٹانے کا بہانہ
کھو جاتی ہے ملّت کے تشخص کی حقیقت
تقلید سے بن جاتی ہے قوم ایک فسانہ

کمزور

کمزور کوئی شے ہو تو قائم نہیں رہتی
گر پڑتا ہے جو پتّہ ہو کمزور خزاں میں
جو پاؤں پہ خود اپنے کھڑا ہو نہیں سکتا
وہ حق نہیں رکھتا کہ رہے زندہ جہاں میں

عمل

یہ زندگی اک نعمتِ عظمیٰ ہے سراسر
نادان ہیں جو اِس پہ تشکر نہیں کرتے
حل مشکلیں ہوجاتی ہیں انساں کی عمل سے
اِس نکتے پہ کچھ لوگ تفکر نہیں کرتے

ہدف

کوشش بھی کرے جب بھی وہ رہتی ہے تہیدست
جو قوم زمانے میں ہو بیگانہ ہدف سے
اُس بحر سے غواص نکالے گا گُہر کیا
جس بحر کی آغوش ہو محروم صدف سے

نقش

یہ چاند، یہ سورج یہ ستارے یہ فضائیں
ہیں نقش چمکتے ہوئے نقاش ازل کے
ہر نقش میں سو جلوے ہیں ہر جلوے میں سو رنگ
ہر رنگ میں سو آئنے ہیں علم و عمل کے

معمار

اصنام پرستی ہے اگر مذہب اجداد
لازم ہے مسلمان اُن اجداد کو چھوڑے
معمارِ حرم وہ نہیں جو ٹھہرے حرم میں
معمارِ حرم وہ ہے جو اصنام کو توڑے

پندار

کہتے ہیں کہ اک اور ستارہ ہوا ظاہر
جو روشنی میں بڑھ کے ہے سورج سے کئی بار
یارب کوئی ایسا بھی ستارہ ہو نمایاں
ہو جس سے درخشاں افقِ عالمِ پندار

جنگ

کل کہتا تھا اک ماہرِ آثارِ قدیمہ
اک بستی ملی آج کھدائی سے پرانی
ویران ہوئی جنگ سے بستی یہ سراسر
تہذیبِ بشر کی ہے یہی ایک کہانی

تشخص

سیرت سے فقط ہوتی ہے انسان کی پہچان
صورت کوئی پہچان کا معیار نہیں ہے
یہ جُبّہ و دستار نہیں کوئی تشخص
مومن کا تشخص کہ وہ صادق ہے امیں ہے

اِعزاز

پرواز خلاؤں میں نہیں کوئی کرامت
دریاؤں پہ چلنا کوئی اعجاز نہیں ہے
انسان کا اِعزاز ہے تحلیلِ مسائل
تحصیلِ وسائل کوئی اِعزاز نہیں ہے

اور اب

کل فقر تھا سرمایۂ فخر اہلِ نظر کا
آج اہلِ نظر کی ہے نظر لعل و گہر پر
حکّام کبھی جاتے تھے در پر فقرا کے
اور اب فقرا جاتے ہیں حکام کے در پر

حرم

آماجگہِ فتنہ ہے یہ ساری ہی دنیا
کچھ فتنے ہیں شمشیر سے کچھ فتنے قلم سے
بیٹھے ہیں کمیں گاہ میں صیّاد ہزاروں
اے مرغِ حرم دُور نہ اُڑ بامِ حرم سے

خرد

کچھ نعمتیں ملتی ہیں فقط لطفِ خدا سے
ہر چیزِ نہیں کوچہ و بازار سے ملتی
سب درہم و دینار سے بن جاتے خردمند
گر جنسِ خرد درہم و دینار سے ملتی

سجدہ

ہو قربِ خدا جس کی عبادات کا مقصد
سالک وہ مقامات پہ رکھے گا یقیں کیا
سجادہ نہیں سجدہ تقرب کا سبب ہے
سجاّد بنے جو بنے سجاّدہ نشیں کیا

(واسجد واقترب: قرآن)

خریدار

مشرق ہے خریدار نئے علم و ہنر کا
مغرب نے دکھائے ہیں بہت اُس کے کمالات
اِس علم کے بازار میں کچھ اور نہیں ہے
یا عیش کے اسباب ہیں یا موت کے آلات

افسانہ

تھے عفت و عصمت بھی کسی دور میں الفاظ
اب ہوں بھی تو اُن کے نہیں ہیں کوئی معانی
اخلاق ہے بھولا ہوا اب ایک فسانہ
تہذیب ہے گزرے ہوئے لوگوں کی کہانی

نیکی

نیکی کے اثر کی بھی خبر تھی تجھے لیکن
ہوسکتی تھی جو تجھ سے بدی تو نے وہ کردی
''صد بار بدی کردی و دیدی ثمرش را
نیکی چہ بدی داشت کہ یک بار نکردی''

یک جہتی

تعلیم کا گر کوئی ہدف پیش نظر ہو
بکھرے ہوئے افراد کی ہوسکتی ہے تنظیم
یک جہتی ملّت کا تصوّر نہیں ممکن
جب تک نہ مدارس میں ہو یک جہتی تعلیم

عمل

ہر علم حقیقت میں ہے محتاج عمل کا
ہر علم کے کُھلتے ہیں عمل ہی سے معانی
دانے کے کمالات کا ممکن نہیں اظہار
جب تک کہ نہ دہقان کرے دانہ فشانی

سید ہجویرؒ

کیا خوب کہی سیّد ہجویر نے یہ بات
صوفی ہیں بہت اہلِ طریقت نہیں کوئی
پہلے تھی حقیقت نہیں تھا نام تصوّف
اب نامِ تصوّف ہے حقیقت نہیں کوئی

(باب تصوف، کشف المحجوب)

علم

علم اصل میں شمشیر ہے شمشیرِ برہنہ
دانا کے ہو قبضے میں تو دنیا ہے سلامت
نادان کے ہاتھوں میں گر آجائے یہ قوت
پھر فتنہ ہی فتنہ ہے قیامت ہی قیامت

سب اچھے

اچھا ہے ادب اور بہت اچھا تصوّف
سب اچھے ہیں گر مشکلیں آسان بنائیں
وحشی ہوا انسان تمدّن کے اثر سے
اے کاش یہ وحشی کو پھر انسان بنائیں

عیسیٰؑ

اک شخص نے دی حضرتِ عیسیٰ کو جو گالی
عیسیٰ نے دعا دی اُسے بدلے میں سراسر
پوچھا کہ دُعا گالی پہ کیوں دی تو وہ بولے
دیتا ہے وہی کچھ جو کسی کو ہو میسّر

تاریخ

تاریخ کا ہر صفحہ ہے آئینۂ حکمت
اربابِ نظر کے لئے تعلیم ہے تاریخ
ہر قوم کا حال اُس کے عمل کا ہے نتیجہ
انسان کے کردار کی تقویم ہے تاریخ

شہود

ہو بندہ اگر صاحبِ حق پھر بھی ہے بندہ
لبریز ہو مَے سے بھی سبُو پھر بھی سبُو ہے
سورج نہیں کہہ سکتے کسی ذرّے کو ہرچند
سورج ہی کا ذرّے کے رگ و پے میں لہو ہے

فلسفہ

فارابی و سینا کی حکیمانہ نظر سے
ممکن نہیں ہے خالق و مخلوق کی پہچان
ہے فلسفہ اک علّت و معلول کا چکر
حیوان سے ہے تخم تو ہے تخم سے حیوان

اُلّو

اُلو کسی ویرانے میں بیٹھے ہوئے بولے
ہم مظہرِ دانش ہیں ادیبوں کے بیاں میں
شاہیں کے پر و بال میں طاقت ہے تو کیا ہے
دانش تو ہماری ہی مسلّم ہے جہاں میں

فلسفی

ممکن نہیں ہے فلسفہ سے راہنمائی
حس بشری کی بڑی کوتاہ نظر ہے
خیّام نہیں جانتا آیا وہ کدھر سے
یہ بھی نہیں معلوم اُسے جانا کدھر ہے
(این آمدن از کجا و رفتن بکجاست ۔ خیام)

دید

توفیق کو مشروط کیا حق نے عمل سے
یہ ضابطہ پیشانیِ انساں پہ رقم ہے
انسان کی ہے دید سے ہستی کی حقیقت
دیکھے تو وجود اور نہ دیکھے تو عدم ہے

اسرار

اسرار سے معمور ہیں فطرت کے خزانے
اسرار کے ہے کشف سے انسان کی تجلیل
ڈالی ہے کچھ اشیا پہ نظر اہلِ خرد نے
باقی ہے ابھی انفس و آفاق کی تحلیل

گھر

تعلیم کے مرکز بھی ہیں پھر بھی ہے جہالت
اخلاق کا فقدان فقط اِس کا سبب ہے
ماں باپ گر اولاد کے اچھے ہوں مربی
گھر سب سے بڑا مدرسۂ علم و ادب ہے

آئینہ

اظہارِ صداقت کے لئے چاہیے جرأت
آسان نہیں ہوتا حقایق کا بتانا
حق بات چُھپاتے نہیں مردانِ صفا کیش
آئینے کا آئین ہے رُخ صاف دکھانا

تعلیم

مذہب ہو تمدن ہو تصوف ہو ادب ہو
ہر علم سے مطلوب ہے انسان کی تکریم
جو شخص ہے شایستہ وہی شخص ہے عالم
شایستگی انسان کا ہے حاصلِ تعلیم

شایستگی

شایستگی اک آئینہ ہے علم و ادب کا
شایستگی اخلاق ہے شایستگی ایمان
انساں میں جہالت کی علامت ہے خشونت
تعلیم کا مطلب ہے کہ شایستہ ہو انسان

علم و عمل

یونان کی حکمت کی ہے بنیاد فقط علم
قرآن کی حکمت کی بِنا علم و عمل ہے
اک ہاتھ قوی نور سے، اک ہاتھ عصا سے
یہ قوتیں دونوں ہوں تو ہر مسئلہ حل ہے

بنیاد

بُنیاد پہ قائم ہیں شجر ہوں کہ حجر ہوں
بُنیاد سے محکم ہے ہر اک چیز کی ہستی
اسلام کی بُنیاد ہے توحید و رسالت
مومن کے لئے فرض ہے بُنیاد پرستی

بے بنیاد

طوفانِ حوادث میں ٹھہر سکتے ہیں کیوں کر
وہ نخل کہ کمزور تنے ہوتے ہیں جن کے
بنیاد نہ ہو کوئی تو مٹ جاتی ہیں قومیں
چلتی ہے ہوا تیز تو اُڑ جاتے ہیں تنکے

حاصل

ملّت میں پریشانی افکار کا حاصل
کوتہ نظری بے خبری خیرہ سری ہے
افسوس ہمارے علما اور ادبا نے
جو چیز عطا کی وہ پریشاں نظری ہے

تصادم

اک کفر کی ملّت ہے اک اسلام کی ملّت
دراصل یہ دو ملّتیں ہیں سارے جہاں میں
دونوں کے رویوں کی علامت ہے تصادم
لازم ہے کہ دونوں کے رہیں تیر کماں میں

(الکفر ملة واحدہ: حدیث)

اُردو

اُردو کے مخالف ہوئے جس وقت برہمن
اُردو کو مٹانے کے لئے اُٹھ پڑے ہندو
جب اُن سے عداوت کا سبب پوچھا تو بولے
قرآن کے حرفوں میں لکھی جاتی ہے اُردو

سَم

مغرب زدگی ایک خطرناک مرض ہے
لگ جاتا ہے لوگوں کو ادیبوں کے قلم سے
محتاط رہیں ملّتِ اسلام کے فرزند
مسموم ہوئے ذہن ہزاروں اِسی سَم سے

مکافات

موت اپنے ہی اعمال کی صورت کا ہے منظر
یہ راز مکافات کا بالائے خرد ہے
اعمال گر اچھے ہیں تو ہے موت بھی اچھی
اعمال اگر بد ہیں تو پھر موت بھی بد ہے

(ماخوذ از رومی)

موت

یہ کس نے کہا موت ہے انسان کا انجام
اظہار کیا کس نے یہ کوتہ نظری کا
احوال ہزاروں ہیں حیاتِ بشری کے
ہے موت بھی اک حال حیاتِ بشری کا

تمہید

ہر رات چمکتے ہیں نئی تاب سے تارے
ہر صبح نکلتا ہے نئے جلوے سے خورشید
ہستی کے ہے انجام میں آغاز بھی پنہاں
خود موت بھی ہے زندگیِ تازہ کی تمہید

عورت

عورت ہی سے ہے مرد کی دنیا میں تجمل
آسائش دل بھی ہے وہ افزائش جاں بھی
ہے مرد کا عورت سے ہر اک رشتہ مقدس
وہ بہن بھی بیٹی بھی وہ بیوی بھی وہ ماں بھی

میدان

مردانِ جفا کیش ہوں میدان میں جب تک
عورت کو نہیں چاہیے میدان میں آئے
باقی نہ رہے کوئی بھی جب مردِ مجاہد
عورت پھر اُٹھے اور وہ پرچم بھی اُٹھائے

تلوّن

ہر لحظہ ہے عورت کی طبیعت میں تلوّن
اب سُرخ کے پیچھے ہے ابھی زرد کے پیچھے
کھو بیٹھتی ہے اپنے مقامِ ازلی کو
حق چھوڑ کے چل پڑتی ہے جب مرد کے پیچھے

آیت

عورت کا وجود افضل و اعلیٰ ہے جہاں میں
وہ آیتِ حق ہے کوئی معشوق نہیں ہے
نبیوں کو بھی آغوش میں ہے پالنے والی
لگتا ہے کہ خالق ہے وہ مخلوق نہیں ہے

(ماخوذ از رومی)

پردہ

مٹی کے اندھیروں میں چھپی جڑ کا ہے سب فیض
پھولوں کا تجمل ہو کہ کلیوں کا تبسّم
ماں پردہ نشیں ہے تو برومند ہے فرزند
مریم کی خموشی سے ہے عیسیٰ کا تکلّم

الزّہراؓ

خاتون مسلمان ہر اک پاک ہے لیکن
جو صاحبِ تقویٰ ہے وہ عفت کا نشاں ہے
زہراؓ کا شرف ہے کہ پیمبرؐ کی ہے بیٹی
اور اِس سے بھی بڑھ کر کہ وہ شبیرؓ کی ماں ہے

مہمان

ہر چند کہ انسان کا ہے خاک سے پیوند
اِس خاک کے ہیں عالمِ لاھوت سے رشتے
پیغامِ خدا لے کے بصد حُرمت و آداب
مہمان براہیمؑ کے گھر آئے فرشتے

حق والے

حق والے دُعا دیتے ہیں دُشنام کے بدلے
وہ دیکھتے ہیں سب کو محبت کی نظر سے
دنیا میں ہیں اُس نخلِ ثمردار کی مانند
دیتا ہے جو پتھر کا جواب اپنے ثمر سے

پیغام

دنیا میں مسلمان پیمبرؐ کے ہیں پیرو
معراج پہ نازاں ہیں سبھی خاص ہوں یا عام
پیوست زمیں سے ہوئے جاتے ہیں وہ ہر چند
معراج ہے تسخیرِ سماوات کا پیغام

ستارے

جب کوفہ سے ناگاہ چلی صرصرِ فتنہ
خاموش چراغ اُس نے کیے کعبہ کے سارے
پھیلاتے ہوئے نور اُفقِ شام پہ نکلے
پیغمبرؐ اسلام کی آنکھوں کے ستارے

شہدا

قرآن کی رُو سے شہدا مُردہ نہیں ہیں
وہ زندہ ہیں لیکن ہمیں پہچان نہیں ہے
موت اور شہادت کے جُداگانہ ہیں اسرار
ہر شخص کو اسرار کا عرفان نہیں ہے

نسبت

نسبت ہے شہیدوں کو حسینؓ ابن علیؓ سے
ہیں سب شہدا اک ہی حقیقت کی نشانی
اقبال کو ٹیپو کی شہادت نے دکھائی
کاویری کی موجوں میں فرات ایسی روانی

(کاویری وہ دریا جس کے کنارے سلطان ٹیپو نے جام شہادت نوش کیا)

سلطان ٹیپو شہید

ٹیپو نے کہا زندگی آزاد کا حق ہے
زنداں سے کہیں عرصۂ پیکار ہے بہتر
جو شیر کا اِک روز ہے جنگل کی فضا میں
گیدڑ کے وہ سو سال سے سو بار ہے بہتر

غازی علم دین شہید

تو شمعِ رسالت کا ہے پروانۂ جانباز
تو مصطفویؐ عشق کی دولت کا امیں ہے
ہر قطرہ ترے خون کا غیرت کی تجلّی
روشن ترے کردار سے ملّت کی جبیں ہے

عزیز بھٹی شہید

ہر سمت گرامی ہے ہمیں اپنے وطن کی
ہر سمت عزیزوں نے لڑی جنگ عدو سے
اِس ملک پہ دولت کا نہ سودا کرے کوئی
یہ ملک خریدا ہے شہیدوں نے لہو سے

حکیم سعید شہید

تعلیم جو دی، سربسر اخلاق کی تعلیم
پیغام سنایا جو، محبت کا سنایا
اَوروں کو دیئے جام بھرے ''روح فزا'' کے
خود اپنے لئے جام شہادت کا اُٹھایا

شاعرِ مشرق

اقبال ہے اسلام کی قدروں کا مدافع
اِس نکتۂ روشن سے ہے آگاہ زمانہ
جس شخص کو بھی دین سے ہوتا ہے تعرّض
وہ شاعرِ مشرق کو بناتا ہے نشانہ

غالب

غالب کے سخن میں ہیں معانی کے دبستاں
اک دفترِ اسرار ہے ہر نکتۂ تحریر
اشعار میں چُھپتا نہیں اشعار کا جوہر
ہے سینۂ شمشیر سے باہر دمِ شمشیر

حکما

یہ زندگی اک عرصۂ پیکار ہے لیکن
طوسی کو ارسطو کے مقالوں کی تمنا
سینا کو فلاطوں کے ہے اعیان کی خواہش
صدرا کو فلوطیں کے خیالوں کی تمنا

افلاطون

کہتے ہیں ارسطو نے فلاطوں سے یہ پوچھا
موجود اگر میں ہوں تو کیا تو بھی ہے موجود
کہنے لگا میں سوچ کے بتلاؤں گا تجھ کو
اعیان ہیں موجود ولیکن نہیں مشہود

گوئٹے

حافظ کا ہنر دیکھتے ہی شاعرِ ویمر
شیراز کے پھولوں کے لئے ہوگیا بیتاب
مغرب کو بتایا کہ ہے مشرق بھی خدا کا
اسلام کے آداب ہیں انسان کے آداب

مکیاولی

مکیاولی اک شخص تھا شہزادے کا حامی
پیرانِ کلیسا سے ہوئی اُس کو عداوت
نادان مسلمان بھی اُس کے بنے پیرو
ایوانِ سیاست میں ہے اب دیں سے بغاوت

نیتشے

مذہب سے تھی وحشت اُسے اخلاق سے نفرت
محکوم سے ناراض تھا کمزور سے بیزار
طاقت کی ہوس نے اُسے دیوانہ بنایا
حیف اپنے ہی خالق سے رہا برسرِ پیکار

خیّام

خیّام ہے اجسام کی ہیئت کا شناسا
ارواح کی ہیئت کا اُسے کچھ نہیں ادراک
ہے موت و حیات اُس کے لئے ایک معما
غمناک ہے ہاتھوں میں لئے جامِ طربناک

(این حرف معما نہ تو خوانی و نہ من۔ خیام)

فیضی

قرآن کا اک نکتہ سمجھ پایا نہ فیضی
بے نقطہ رقم کرگیا قرآن کی تفسیر
اسلام کا ادراک خدا چاہے جسے دے
یہ حاصلِ ایماں ہے نہیں حاصلِ تدبیر

(تفسیر سواطع الالہام)

مجدّد

اسلام کی رُو سے ہیں جُدا کافر و مومن
قرآن کا فرماں ہے کہ وہ اور ہیں ہم اور
رحمٰن کو نسبت نہیں ہے رام سے کوئی
توحید کا مطلب ہے حرم اور صنم اور

قائدِ اعظم

بن کر رہے گی ہند میں اک مملکتِ پاک
محمود نے یہ بات بہت پہلے کہی تھی
سچ کردیا تو نے اُسے اے قائداعظم
اِک عرصہ سے تاریخ تجھے ڈھونڈ رہی تھی

سعدی

سعدی ہوا بغداد سے جب فارغِ تحصیل
پڑھنے لگا پھر دفترِ آفاق کے اوراق
ذرّے میں دکھائی دیے خورشید کے جلوے
قطرے میں نظر آئے اُسے بحر کے اعماق

حافظ

تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے محبت
حل مشکلیں ہوجاتی ہیں سب اُس کے اثر سے
حافظ کا ہے فرمان کہ کرسکتے ہیں تسخیر
سو کشورِ دل ایک محبت کی نظر سے

(صد ملکِ دل بہ نیم نظر می تواں گرفت۔ حافظ)

رومی

ہے مثنویِ معنوی اک عالمِ اسرار
غوّاصِ تصوف کے لئے بحرِ معانی
رازی کے بیانات بھی ہر چند ہیں تفسیر
قرآن کے معنی کھُلے رومی کی زبانی

حالی

ممکن نہیں بچ جائے برہمن سے کوئی غیر
کھا جاتا ہے ہر چیز کچھ ایسا وہ صنم ہے
بدُھ ہی کوئی چھوڑا نہ کوئی جین ہی چھوڑا
حالی کا بیاں سچ کہ وہ اکّالِ اُمم ہے
(غارتگرِ اقوام ہے اکال امم ہے۔ یعنی قوموں کو کھا جانے والا)

اقبال

تو قلزمِ اسرار ہے پیہم متلاطم
ہر لفظ ترے شعر کا دریائے معانی
غواصِ خرد کس طرح اعماق کو پہنچے
''گہرا ہے ترے بحرِ خیالات کا پانی''
(آخری مصرع علامہ اقبال کا، تغیر لفظی کے ساتھ)

خیبر

یہ درۂ خیبر کہ ہے اک سلسلۂ کوہ
تاریخ کے اوراق ہیں سب اِس کی چٹانیں
اِس خلوتِ کہسار میں ہیں گونجتی اب بھی
جو اہلِ محبت نے کبھی دی تھیں اذانیں

تصوّف

کہتے ہیں تصوّف جسے وہ محض ہے اخلاق
اس راز سے واقف ہیں فقط اہل توکل
خالق سے ہے اخلاق اطاعت دل و جاں سے
مخلوق سے اخلاق جفاؤں کا تحمل

(ماخوذ از حضرت علی ہجویریؒ)

ایران

پازند کا ایران خراباتِ مُغاں تھا
قرآن نے ہر قریۂ ویراں کو بسایا
فارابی و سینا دیئے فردوسی و رومی
ایران کو اسلام نے ایران بنایا

کشمیر

مومن فقط اسباب پہ تکیہ نہیں کرتا
تاریخ کا ہر صفحہ یہ دیتا ہے گواہی
کشمیر میں منظر یہ سبھی دیکھ رہے ہیں
''مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی''

(مصرع آخر از علامہ اقبال)

عزم

انگاروں کی وادی میں ہر اک سمت شب و روز
بے باک جوانوں کا نکلنا کوئی دیکھے
جلتے ہوئے کشمیر میں کشمیریوں کا عزم
شعلوں میں چناروں کا سنبھلنا کوئی دیکھے

شعر

اک شعر کا مقصود نمائش ہے ہُنر کی
اک شعر کا موضوع عواطف کا بیاں ہے
اک شعر کے مضمون سے اذھان کی تخریب
اک شعر کے مفہوم سے تعمیرِ جہاں ہے

پیدائش

ہر شخص کی پیدائشِ اوّل ہے طبیعی
سالک کے لئے شرط ہے پیدائشِ ثانی
پیدائشِ ثانی ہے عمل خود شکنی کا
اِس مرحلۂ سخت سے کھلتے ہیں معانی

شاعر

شاعر کی طبیعت بہت آزاد ہے لیکن
آزاد خیالی ہے اثر بے خبری کا
آوارگیِ فکر کے کچھ اور ہیں معنی
مفہوم ہے کچھ اور وسیع النظری کا

عارف

شاعر ہے خیالوں کے جزیروں میں خراماں
عارف ہے معارف کی منازل کا مسافر
عالم کا عمل عالمِ عقبیٰ کے لئے ہے
دنیا میں مسلماں کا خدا حافظ و ناصر

مومن

مومن ہے بہرحال فقط بندہ خدا کا
ہے اُس کا ہدف طاعتِ احکامِ الٰہی
اللہ کے لئے زندگی اللہ کے لئے موت
دنیا میں مسلمان ہے اللہ کا سپاہی

مقلد

کھو جاتا ہے ویرانے میں جب کوئی مسافر
لے لیتا ہے جو رستہ بھی اُس کو نظر آئے
کمزور کو ہوتا نہیں ہے خود پہ بھروسہ
چل پڑتا ہے جس سمت کوئی دوسرا جائے

جامیؒ

اِک شخص نے جامیؒ سے یہ کی عرض سرِ بزم
اظہارِ کرامت کریں آپ اہلِ یقیں پر
فرمایا کہ لو دیکھو مجھے میں ہوں کرامت
میں اتنے گنہ لے کے بھی چلتا ہوں زمیں پر

آداب

لازم ہے کہ ہم زیست کے آداب کو سمجھیں
ادراک کریں اپنے رویوں میں خلل کا
ہم ڈھونڈتے رہتے ہیں فقط دوسروں کے عیب
کیوں جایزہ لیتے نہیں خود اپنے عمل کا

عزت

انساں کے لئے باعثِ عزت ہے اطاعت
مجبور اطاعت سے فقط بنتا ہے مختار
رکھتے ہوئے تاج اپنے غلاموں کے سروں پر
تاریخ میں دیکھا ہے سلاطیں کو کئی بار

زایر

یہ کون مسافر ہیں کہاں کے ہیں یہ زایر
کعبے کا کوئی نام نہ قبلے کا نشاں ہے
جس قافلہ کی منزلِ مقصود خدا تھا
وہ قافلۂ اُمتِ مرحوم کہاں ہے

معراج

معراج ہے تاریخ کا اک واقعۂ خاص
پیغمبرؐ حق پہنچے سماوات سے آگے
یہ معجزۂ عشق ہے ادراک سے باہر
مشکل سی ہے جو بات ہے اِس بات سے آگے

حضوری

اللہ کی قربت ہے بلندی کی نہایت
پستی ہے جہاں میں فقط اللہ سے دُوری
معراج میں حائل نہیں افلاک کے پردے
معراج ہے اللہ تعالیٰ کی حضوری

(وان الی ربک المنتہی: قرآن)

اناالحق

انسان میں دو قوتیں رکھی ہیں خدا نے
اک قوتِ حق دوسری ہے قوتِ باطل
گر قوتِ باطل کو مٹالے کوئی مومن
پھر حق ہے وہ گفتارِ اناالحق کے ہے قابل

قسَم

دل میں ہے تری یاد نظر میں تری صورت
ہر لحظہ نگاہوں میں ترا نقشِ قدم ہے
آلودہ نہ کیں جلوۂ اغیار سے آنکھیں
اے عشق مجھے تیرے تقدس کی قسَم ہے

پیکار

ہر چیز بقا کے لئے ہے بر سرِ پیکار
سب جنگ کے میدان ہیں صحرا ہوں کہ گلشن
کبک اور کبوتر کے لئے سخت ہے جینا
یہ عرصۂ عالم ہے عقابوں کا نشیمن

خزاں

کیا عکس رُخِ گُل کا نظر آئے کسی کو
آلودۂ شبنم ہوُا آئینہ چمن کا
لازم ہے کہ بُلبل کرے اب دشت کا آہنگ
گلشن پہ تصرّف ہوا ہے زاغ و زغن کا

دعویٰ

نمرود کا دعویٰ تھا کہ میں سب کا خدا ہوں
فرعون کا فرمان کہ میں ربّ ہوں اعلیٰ
وہ مرگیا مچھر سے اسے لے گیا پانی
صد حیف یہ فرمان صد افسوس وہ دعویٰ

نفرین

فرعون ابوجہل یزید اور مُلا کو
جلّاد تھے شدّاد تھے سفاک تھے خونخوار
نفریں کے سوا اُن کے لئے کچھ نہیں، دیکھو
آئینۂ عبرت ہے ستم اور ستمکار

قیامت

قرآن کا حامل حرمِ حق کا محافظ
کفار کے دروازے پہ پھر ناصیہ سائی
کیا اور بھی ہے کوئی قیامت کی علامت
کرتا ہے مسلمان یہودی کی گدائی

انبیا

قرآن کی آیات ہیں شاہد کہ جہاں میں
حق نے کبھی رُخ اپنے غلاموں سے نہ موڑا
تکذیب پہ توحید کی چھیڑا نہ کسی کو
تکذیب پہ نبیوں کی کسی کو بھی نہ چھوڑا

یہ لوگ

دیکھے ہیں زمانے میں مسلمان ہزاروں
ہے ذکرِ خدا لب پہ تو دل یادِ صنم میں
یہ لوگ ہیں کس مذہب و ملّت کے الٰہی
اک گام ہے بتخانے میں اک گام حرم میں

زندگی

ہنگامے ہیں دنیا میں ہر اک سمت شب و روز
ہنگاموں سے آماجگہِ فتنہ زمیں ہے
اک جنگ مسلسل حق و باطل کے ہے مابین
یہ زندگی اے اہلِ نظر خواب نہیں ہے

کوشش

ہم کھیت کو سینچیں گے اُگے یا نہ اُگے فصل
ہم نخل لگائیں گے ثمر لائے نہ لائے
کوشش کریں گے ممکنہ حد تک کہ بنے بات
پھر اللہ کی مرضی وہ بنائے نہ بنائے

باطن

ظاہر میں نہ ہوجائے اگر گُم نظرِ شوق
ہر ایک نظارے کے ہے باطن میں نظارہ
ہر چیز کے اسرار میں پوشیدہ ہیں اسرار
پانی میں ہے پتھر تو ہے پتھر میں شرارہ

دیدۂ بیدار

آفاق میں بے پردہ ہے فطرت کی تجلّی
انسان کو لازم ہے فقط دیدۂ بیدار
ہر پتّہ اگر دیکھیں تو اک دفترِ حکمت
ہر قطرہ نظر ڈالیں تو اک قلزمِ اسرار

مآل

ماضی کے حوادث کو جو کردے نظر انداز
اُس ملّتِ خوابیدہ کا حال اچھا نہ ہوگا
ماضی میں ہر اک فعل کا ہے نقطۂ آغاز
آغاز بُرا ہے تو مآل اچھا نہ ہوگا

مقدّر

نہروں کو نگل لیتے ہیں بپھرے ہوئے دریا
دریاؤں کو کھا جاتے ہیں منہ کھولے سمندر
بچ سکتا نہیں کوئی بھی کمزور قوی سے
ہے مرگِ مفاجات ضعیفوں کا مقدّر

انصاف سے محروم

انصاف سے محروم خردمند ہزاروں
دیکھے ہیں کہ جوہر کو وہ جوہر نہیں کہتے
بچھڑے کو خدا مانتے ہیں دل سے و لیکن
موسیٰ کو زباں سے بھی پیمبر نہیں کہتے

تکریم

مشرق بھی خدا کا ہے وہ مغرب بھی خدا کا
دونوں پہ مہ و مہر چمکتے ہیں برابر
جس خطے میں تکریم ہے مخلوقِ خدا کی
تہذیب و تمدن میں وہی خطہ ہے برتر

ہمسایہ

مشرق میں بھی انسان ہیں مغرب میں بھی انسان
اک چھوٹی سی بستی ہے جہاں نوعِ بشر کی
یہ بستی اِسی شرط پہ رہ سکتی ہے آباد
ہمسایہ حفاظت کرے ہمسائے کے گھر کی

ردّعمل

مغرب کی کثافت سے ہے مشرق کی لطافت
یہ ردّعمل ہم نے سُنا اہلِ صفا سے
مومن شرر افشانیِ باطل سے ہیں مومن
جنت کے ثمر پکتے ہیں دوزخ کی ہوا سے

(جنت کے ثمر--- ماخوذ از ابن عربی)

یکساں

فرمایا پیمبرؐ نے عرب ہوں کہ عجم ہوں
اسود ہوں کہ احمر سبھی آدم کی ہیں اولاد
سب لوگ ہیں یکساں کوئی بندہ ہے نہ آقا
تقویٰ فقط انساں میں فضیلت کی ہے بنیاد

(ان اکرمکم عنداللہ اتقیکم: قرآن)

والقلم

دنیا میں ہوا علم کا ابلاغ قلم سے
انسان کی تاریخ قلم ہی نے رقم کی
تعظیم قلم فرض ہے سب اہل قلم پر
قرآن میں کھائی ہے قسم حق نے قلم کی

افکار

مفسد نہ ہوں گر لوگ تو ناخواندہ بھی اچھے
ملت کے لئے فتنہ طرازی ہے خطرناک
افکار مصفّا ہوں تو انسان مصفّا
افکار ہوں ناپاک تو انسان ہے ناپاک

نسب

مغرب کے حکیمانِ حکومت نے جہاں میں
انساں کی فضیلت کے سب آثار مٹائے
حامل کہاں ہوسکتی ہے ناموسِ بشر کی
وہ قوم جو حیواں سے نسب اپنا ملائے

اغراض

روشن نظروں میں ہے نہ روشن نظری اب
آئینہ ضمیروں میں نہ آئینہ ضمیری
آلودۂ اغراض ہوا جب سے مسلمان
بے داغ امیری ہے نہ بے داغ فقیری

فرق

ہے فرق ادب اور سیاست میں نمایاں
ہر چند ادیب اہل سیاست کے ہیں بھائی
تاریخِ ادب میں ہے محبت ہی محبت
تاریخِ سیاست میں لڑائی ہی لڑائی

اندھیرا

یارب کہیں مشرق کے درخشندہ اُفق پر
چھا جائے نہ مغرب کے تمدّن کا اندھیرا
داناؤں سے یہ سُننے میں آیا ہے کہ اکثر
ہوتا ہے اندھیرے میں بلاؤں کا بسیرا

آزاد

مغرب کا ہے اعلان کہ مذہب ہے فقط وہم
نیکی بدی انسان کے ہے ذہن کی ایجاد
دنیا میں ہوُا معرکۂ خیروشر اب ختم
شیطان بھی آزاد ہے انسان بھی آزاد

کمالات

دانائے فرنگی کے کوئی دیکھے کمالات
کس ناز سے وہ نخلِ تمدن پہ چڑھا ہے
ہاتھوں میں لئے تیشۂ دانش یہ فلاطوں
جس شاخ پہ بیٹھا ہے اُسے کاٹ رہا ہے

نسل

مغرب میں جنم لے رہی ہے نسل اک ایسی
جس کے کسی بچے کو نہیں باپ کی پہچان
خود باپ کو بھی بچے کی پہچان نہیں ہے
لگتا ہے کہ اِس نسل سے مٹ جائے گا انسان

وحشت

انسانِ مہذب کی جو یوں ہی رہی وحشت
ہو جائے گی دُنیا یہ بہت جلد ہی ویران
شہروں میں تعاقب کرے گی موت ہر اک کا
جنگل کو چلے جائیں گے سہمے ہوئے انسان

ماحول

کالا سا دھواں پھیل گیا روئے زمیں پر
چلنے لگیں ہر سمت سَم آلود ہوائیں
انسان تنفس کے لئے ڈھونڈ رہا ہے
دنیا سے بہت دور ستاروں کی فضائیں

خوف

شہروں کی فضاؤں میں ہے جنگل کا سا اِک خوف
انسان ہے انسان کی وحشت کا نشانہ
پتھر ہوَا ہر ایک کا دل ایسا کہ گویا
لَوٹ آیا ہے گزرا ہوا پتھر کا زمانہ

ظلم

مظلوموں کا خوں بہتا ہے دن رات زمیں پر
ہر خطّے میں جلاّد ہیں شمشیر اُٹھائے
آہوں سے لرزنے لگا ہے عرشِ الٰہی
ڈر ہے کہیں فانوسِ فلک ٹوٹ نہ جائے

قدم

اقوام جو طے کرتی ہیں راتوں کو بھی رستے
دیکھے ہیں قدم اُن کے ستاروں کی جبیں پر
آسان نہیں ہوتا جنہیں خواب سے اُٹھنا
ہو جاتا ہے دشوار اُنہیں چلنا زمیں پر

مسئلے

گرتی ہیں فقط مسجدیں ہی دیکھو جدھر بھی
دنیا میں کلیسا کوئی گرتا ہے نہ مندر
کشمیر ہو کابل ہو فلسطیں ہو کہ بغداد
سب مسئلے ہیں عالمِ اسلام کے اندر

تہذبِ نوی

دور آیا نیا اور نئے آئے وسائل
ہر گھر میں کھُلا مدرسہ بے راہروی کا
عریانی و عیّاری و عیّاشی و عشرت
درس اِس کے سوا کچھ نہیں تہذیب نوی کا

سرکش

عاد اور ثمود اگلے زمانوں میں تھیں قومیں
اب اُن کی حقیقت ہے فقط ایک فسانہ
اقوام جو شعلوں کی طرح آج ہیں سرکش
راکھ اِن کی بھی اک روز اُڑا دے گا زمانہ
(لکلّ أمة أجل : قرآن)

بیگانہ

بیگانہ ہیں اک دوسرے سے لوگ جہاں میں
مانوس کسی سے کوئی انسان نہیں ہے
حیوان کو حیوان کی پہچان ہے لیکن
انسان کو انسان کی پہچان نہیں ہے

چرچے

ویران کئی شہر ہیں برباد کئی گھر
آثار ہیں زور آوروں کی فتنہ گری کے
دنیا میں بشر کی نہ حفاظت ہے نہ حُرمت
چرچے ہیں ہر اک سمت حقوقِ بشری کے

اعلان

اقوامِ مہذّب کے بہیمانہ ضوابط
اک خاک ہے انسان کے جو سر پہ پڑی ہے
ویٹو کے مطابق کہ وہ طاقت کا ہے اعلان
سو دیدہ ور اشخاص سے اک بھینس بڑی ہے

محافظ

اس خطے میں ہے آگ تو اُس خطے میں ہے خون
آثار ہیں انساں کی سب آشفتہ سری کے
محفوظ نہیں کوئی بھی زورِ آوروں سے آج
یہ لوگ محافظ ہیں حقوقِ بشری کے

قبیلہ

بے علم ہیں لوگ اُن میں نہیں وحدتِ ملی
ہر ایک قبیلے نے صنم اپنا تراشا
تعلیم اگر ہو تو ہے جمہوریت اچھی
مشرق میں ہے جمہوریت اک کھیل تماشا

جمہوریت

مشرق کے ممالک میں ہے جمہوریت اک کھیل
اس کھیل میں چوہا بھی ہے ہاتھی کے برابر
مغرب کے مداری کے کمالاتِ ہُنر سے
ہر بچۂ جمہور سیاست میں ہے رہبر

منصف

اک روٹی پہ دو بلیاں لڑنے لگیں باہم
اک بوزنہ کہنے لگا: میں کرتا ہوں انصاف
دو ٹکڑے کیے کھاتا گیا دونوں سے منصف
وہ دیکھتی ہی رہ گئیں یہ کر گیا سب صاف

پرواز

طاغوت کی پرواز خلا میں نہیں مرموز
مطلوب اُسے اپنے سوا سب کی فنا ہے
سر جس سے کُچل جائے تمام اہلِ زمیں کا
پتّھر وہ ستاروں میں کوئی ڈھونڈ رہا ہے

اقدار

پاک اور پلید اُس کے لئے دونوں ہیں یکساں
اقدار کی پہچان سے بیگانہ ہے مغرب
عفّت کا شناسا نہ محبت کا شناسا
افسوس کہ انسان سے بیگانہ ہے مغرب

حالات

آباد تھے جو ملک وہ برباد ہوئے ہیں
دنیا کے بدلتے ہوئے حالات تو دیکھو
ہیں آنسوؤں کے نیل رواں خون کے دجلے
طاقت کی سیاست کے کمالات تو دیکھو

دل

طے مرحلۂ لا نہیں کرسکتا جو سالک
اِلااللہ کی منزل میں قدم رکھ نہیں سکتا
جب تک کہ نہ سر پیش کرے تیغِ رضا کے
مومن حرمِ دل میں قدم رکھ نہیں سکتا

قومیّت

"سلمانؓ بن اسلام" کبھی ہوتا تھا کوئی
اب پہلی سی باتیں ہیں نہ پہلے سے زمانے
مذہب سے کہیں آگے ہے اب قوم پرستی
حیدرؓ سے کہیں بڑھ کے ہیں رستم کے فسانے

اقوام

فرزندیِ فرعون کا ہے اک کو تفاخر
ہے دوسرے کو آریہ ہونے کی تعلّی
کی گرچہ عطا نسبتِ اسلام خدا نے
لیکن نہ ہوئی پھر بھی مسلماں کی تسلّی

آثار قدیمہ

مٹی کا بنا بیل اور اک ٹوٹا ہوا ہل
فرسودہ سا اک چرخہ اور اک اینٹ پُرانی
کہتے ہیں یہ آثارِ قدیمہ ہیں تمدّن
کاش آتے ہمیں لفظِ تمدّن کے معانی

سراب

تہذیب جو مر مٹ کے ہوئی خاک جہاں میں
کیا تجھ کو حیات اُس کے خرابوں میں ملے گی
چشمے جو ہوئے خشک اُنہیں ڈھونڈتا کیا ہے
اک بُوند نہ پانی کی سرابوں میں ملے گی

عبرت

گندھارا کی تہذیب ہو یا سندھ کی تہذیب
گزری ہوئی قوموں کی ہلاکت کے نشاں ہیں
آثار جو چند اُن کے ہیں اب لوحِ جہاں پر
وہ حرفِ تفاخر نہیں عبرت کا بیاں ہیں

بستی

پنجاب میں بستی تھی کبھی ایک ہڑپہ
تھا سندھ میں اک شہر کبھی موہنجوڈارو
دریائے زماں لے گیا دونوں کو بہا کر
ناداں ہو جو ساحل سے تم اب اُن کو پکارو

تہذیب

ملّت کو ہے آزادیٔ افکار کا سودا
افراد اب اخلاق کی حد میں نہیں رہتے
تہذیب نے انداز نظر بدلا کچھ ایسا
اب لوگ بُرائی کو بُرائی نہیں کہتے

فیضان

سورج کی طرف ذرّوں کی پرواز زمیں سے
سورج کا حقیقت میں یہ فیضانِ نظر ہے
مخلوق کے دل جو ہے خالق کی محبت
خالق ہی کے اعجازِ تجلّی کا اثر ہے

ہمّت

توفیق کو لازم ہے ہر اک کام میں ہمّت
ہمّت سے ہر اک کام کا ممکن ہے بنانا
بے خوف اگر کود پڑے بحر میں غوّاص
دشوار نہیں گوہرِ مقصود کا پانا

قافلہ

پھر فصلِ گل و لالہ کی آمد ہے جہاں میں
پھر بادِ طرب خیز چلی کوہ و دمن سے
اک قافلہ رنگوں کا چمن میں ہوا داخل
اک قافلہ خوشبوؤں کا پھر نکلا چمن سے

احساس

احساس سے ہر چیز میں ہے خواہشِ اظہار
احساس سے موجود ہے دنیا میں ہر اک شے
فطرت کا ہو نباض اگر کوئی تو دیکھے
ہر ذرّے کے سینے میں تڑپتا ہوا دل ہے

مہتاب

دنیا میں فقط اہلِ محبت کو ہیں معلوم
اعجاز دکھائے جو محبت کے اثر نے
حائل نہ ہوئی شوق کی رہ میں کبھی دُوری
مہتاب کے چہرے پہ دیے بوسے نظر نے

بانسری

یہ ٹہنیاں یہ کونپلیں یہ پھول یہ پتے
سب مُصحفِ فطرت کی ہیں منہ بولتی آیات
سامع ہو اگر کوئی تو ہر چیز ہے ناطق
رومی نے سنیں بانسری سے کتنی حکایات

سرمست

لہراتی ہوئی ٹہنیاں سرسبز ہیں سرمست
پھولوں کے لبوں پر بھی تبسّم ہے دلآویز
پھر فصلِ بہار آئی ہے پھر بادِ سحرگاہ
گلزار میں گل بار ہے گل پاش ہے گل ریز

مکتوب

یہ پتّیاں پھولوں کی اگر غور سے دیکھیں
مکتوب ہیں خالق نے جو مخلوق کو بھیجے
بھیجے ہیں محبت بھرے خط عطر لگا کر
جس شوق سے عاشق کوئی معشوق کو بھیجے

بہار

ہر غنچہ معطّر ہوا ہر پھول مزیّن
ہر پتہ چمکنے لگا ہر نخل سنورنے
بلبل نے گلستاں میں بڑی لَے سے سُنائی
وہ بات جو چپکے سے کہی بادِ سحر نے

تمنّا

ہو ذوق تو ہے بادِ خزاں بادِ بہاری
شاداب و تر و تازہ گلستانِ جہاں ہے
گر عطرِ گل و لالہ کی ہو دل میں تمنّا
ہر دم نفسِ بادِ صبا عطر فشاں ہے

محبت

ہر کام محبت میں ہوا کرتا ہے برعکس
بلبل نے یہ بات اہلِ گلستاں کو بتائی
آنسو نے کیا سوزِ جگر اور زیادہ
شبنم نے دلِ لالہ میں آگ اور لگائی

تلاش

ہے چاند کی کرنوں سے سمندر کا تلاطم
سورج کی شعاعوں سے نظارے ہیں فضا کے
گلشن میں کوئی ڈھونڈے نشاں بادِ صبا کا
ہیں لالہ و گل نقشِ قدم بادِ صبا کے

اعمال

ہم بوئیں اگر کانٹا تو اُگ آتا ہے کانٹا
ہم بوئیں اگر پھول تو پھر پھول ہی پھل ہے
اعمال ہی جنّت ہیں اور اعمال ہی دوزخ
انساں کی جزا اور سزا اُس کا عمل ہے

پرورش

آتی ہیں تپش کے لئے سورج کی شعاعیں
بارش کے لئے اُٹھتے ہیں قلزم میں تلاطم
چلتی ہیں مہینوں سحر و شام ہوائیں
تب پکتا ہے بویا ہُوا اِک دانۂ گندم

تحقیق

گلشن میں کوئی گر نظرِ فہم سے دیکھے
ہر برگِ شجر دفترِ تفہیم ہے گویا
ہر چیز میں درکار ہے تحقیق و تجسّس
یہ سارا جہاں تختۂ تعلیم ہے گویا

مرحلہ

یہ زندگی اک مرحلہ ہے خوف و خطر کا
یاں قافلے لٹتے ہیں بہت قلب و نظر کے
رنگوں میں گل و لالہ کے کھو جائے نہ کوئی
رہزن یہی نظارے ہیں اِس راہگزر کے

وجد

جن ٹہنیوں میں ہوتی ہے سنگینی و سختی
ہلتی نہیں، طوفان گزر جاتے ہیں سر سے
وہ شاخیں جو ہوتی ہیں لطیف اور سُبک بار
جھوم اُٹھتی ہیں اک کیف لئے بادِ سحر سے

فطرت

ہر چیز عمل کرتی ہے فطرت کے مطابق
ہر شے کا دکھاتی ہے اثر قدرتِ خلّاق
تاریک کیا رات نے عالم کی فضا کو
سورج کی شعاعوں نے منور کئے آفاق

تقاضا

گلزار میں شبنم کے چمکتے ہوئے موتی
گر دیکھیں تو فیضان ہے یہ بادِ سحر کا
ہیں جلوۂ خالق کے ہزار آئنے ہر سُو
انساں سے تقاضا ہے فقط ایک نظر کا